تاثرات

بحث و تحقیق اور اظہار رائے کی آزادی

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ قرآنِ مجید نے انسانی فکر کو توہمات، جہل و تعصب اور اندھی تقلید و تعطل کی قید سے آزاد کرانے میں تاریخی اور منفرد کردار ادا کیا ہے، اور کرتا رہے گا، چنانچہ اس نے اہلِ کفر کی اس دلیل کو یک قلم مسترد کر دیا کہ ادراکِ حقیقت کے لیے باپ، دادا کی راہ پر چلنا ضروری ہے۔ قرآن مجید نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس مشن کا ذکر کرتے ہوئے انتہائی خوب صورت انداز میں فرمایا کہ لوگ اپنی نادانی سے جس بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، آں حضرت ؐ نے انہیں اس بوجھ سے نجات دلا دی ہے۔ ایسے ہی آپؐ نے ان زنجیروں کو کاٹ دیا ہے جو ان لوگوں نے (مختلف ناموں سے) اپنے ہاتھوں میں پہن رکھی تھیں۔

قرآن مجید کی یہی فکری اور اخلاقی تعلیم تھی، جس نے عربوں کو زندگی کے بلند مقصد اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے آشنا کیا اور ان میں شعور و عقل کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کیا۔ چنانچہ انھوں نے کھلے دماغ اور کھلی آنکھوں سے کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ کیا اور ادراکِ حقیقت کے لیے نئی نئی راہوں کو دریافت کیا اور انسانی تہذیب و تمدن میں ایک نئے دور کا اضافہ ہوا، جس کا اعتراف تاریخ نے دل کھول کر کیا ہے۔ تاریخ نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمانوں کی ان علمی اور فکری ترقیوں کا ایک بنیادی راز فکر و نظر کی آزادی میں مضمر تھا۔ انھوں نے بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے علمی افکار کو دنیا کے سامنے پیش کیا

اور اہلِ علم نے اُنھیں قبول یا مسترد کرنے کے لیے علمی انداز ہی اختیار کیا۔ ان علمی بحثوں میں ہنگامہ آرائی، پروپیگنڈے اور اس قسم کی "عوامی" حرکتوں کو علمی تقدس کے منافی قرار دیا گیا، جس کی وجہ سے علم و ادب اور مشاہدہ و تجربہ کی دُنیا میں ایک نئے انقلاب نے جنم لیا، لیکن جب مرورِ وقت کے بعد، خاص طور پر چوتھی صدی ہجری کے بعد پست نظر اور پست ہمت لوگ علم و ادب کی بلندیوں کا ساتھ نہ دے سکے، تو ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی اور "علم" کے نام پر جہالت نے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس دور میں علمائے حق کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اُنھوں نے وقار اور تمکنت سے اس راہ میں آنے والی ہر آزمائش کو خوش آمدید کہا۔ اہلِ علم میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جنھیں مقامِ عزیمت سے نیچے اُتر کر رخصت میں پناہ لینا پڑی اور خوفِ فسادِ خلق سے خاموشی و سکوت کی راہ اختیار کی۔ افسوس! کہ یہ صورتِ حال مسلمان ملکوں میں (ترکی اور ملیشیا کو چھوڑ کر) کسی نہ کسی صورت میں آج بھی موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بحث و تحقیق کے میدان میں پاکستان کے اہلِ علم نے عمومی طور پر کوئی تخلیقی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر ہمارے اہلِ دانش یہ احساس رکھتے ہیں کہ اگر وہ اپنے غور و فکر اور مشاہدہ و تجربہ کے نتائج کو سپردِ قلم کردیں تو اُنھیں انتہاپسند مذہبی حلقوں کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا یا انھیں اپنے ذریعۂ معاش ہی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ یہ احساس، یہ خوف بے شبہ ہماری تخلیقی سرگرمیوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جن اہلِ جنوں نے اس رکاوٹ کو راہ سے ہٹانے کی کوشش کی، وقت نے ان کے ساتھ جس کور ذوقی اور بے رحمی کا سلوک کیا، وہ ہماری علمی تاریخ کا الم ناک باب ہے۔ بڑے بڑے فلسفی، فقہا، علمائے حق اور صوفیائے کرام صدیوں سے وقت کے ہاتھوں زہر کا پیالہ پی رہے ہیں، لیکن ہنگامہ آرائی کی یہ رسم اتنی سخت جان واقع ہوئی ہے کہ ابھی تک ہماری اجتماعی زندگی اس سے اپنا پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

اہلِ علم کی اس بے بسی کا احساس پہلے بھی تھا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک قدیم

عالم نے کہا تھا کہ سچائی کو پسِ پردہ دھکیلنے میں جن دو چیزوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہلِ علم کو علمائے سو، جابر سلاطین اور ہنگامہ پرور عناصر سے ہمیشہ خوف و ہراس لاحق رہا، ان لوگوں نے اگر کبھی کچھ لکھا تو رمز و کنایہ کی زبان میں لکھا، جس کی تعبیر و تشریح میں ان کے نام پر جہالت کو پھیلایا گیا۔ جدید مصر کے ایک معروف اہلِ قلم عباس محمود عقاد نے سچ کہا ہے کہ مسلمانوں کو مغربی سامراج کی بہ نسبت اپنی جہالت کے ہاتھوں زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔ جو لوگ حرکتِ زمین کے سوال پر کفر کا ہنگامہ کھڑا کر سکتے ہیں، ان سے علمی ترقی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

چنانچہ مذہبی اور علمی حلقوں سے ہماری یہ درخواست ہے کہ اُنھیں دینِ حق کے مقدس نام کی خاطر ایک پُرامن فضا کو تیار کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، جس میں ایک آدمی پوری آزادی کے ساتھ بے خوف و خطر اپنی مذہبی، علمی اور فلسفیانہ رائے کا شرافت کے ساتھ اظہار کر سکے۔ اگر وہ رائے غلط ہو تو اسے دلیل و برہان کے ساتھ ٹھکرانے کی صحت مند روایت قائم کی جانی چاہیے۔ اگر ہم اس نازک وقت میں ایسی فضا قائم کرنے میں ناکام رہے جس میں دین اور فلسفہ، یا وحی اور عقل سوسائٹی کی تشکیلِ نو میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں، تو یہ امر ایک المیہ ہوگا، اس کے خطرناک نتائج سے ہمیں بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ ہمیں تخلیقی کارناموں کو سرانجام دینے کے لیے جہاں بحث و تحقیق میں ناقدانہ بصیرت اور اپنے من میں ڈوب کر "سراغِ زندگی" پانے کی ضرورت ہے، وہاں اظہارِ رائے کی آزادی کی بھی ضرورت ہے۔ مائیکلو انجلو نے کہا تھا کہ مجسمہ ساز سنگِ مرمر کو تراش کر بت نہیں بناتا، بلکہ بت ابتدا ہی سے سنگِ مرمر میں موجود ہوتا ہے اور جلوہ نمائی کے لیے بے تاب۔ مجسمہ ساز اس کے سوا کچھ اور نہیں کرتا کہ وہ بت کے چہرے سے پتھر کے عارضی نقاب کو الٹ دیتا ہے۔ اسلامیات میں بحث و تحقیق کا مفہوم یہ ہے کہ جہالت، نفاق، تعصب اور غرورِ نفس نے حقیقت کے چہرے پر جو پردے ڈال رکھے ہیں، ان کو چاک کر دیا جائے۔ قرآن مجید کے حسن و جمال کا یہی تقاضا ہے اور وقت کی یہی پکار ہے کہ انسان کو مشین اور مادیت کی غلامی سے نجات دلائی جائے۔

یہ شبہ جہاں احساسِ خطر تحقیق اور ریسرچ کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے، وہاں اخلاقی جرأت، استقامت اور سعی و عمل کے فقدان نے بھی بحث و تحقیق کو غیر معمولی نقصان پہنچایا ہے۔ ہمیں سچائی اور حقائق کی تلاش میں ان مشکلات پر قابو پانا ہوگا جو مختلف شکلوں میں ہماری راہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہیں، چنانچہ اگر ریسرچ اور تحقیق کے لیے فضا ساز گار نہیں۔ تو کوئی ڈر نہیں، ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیے کہ کہیں وہ تو سرد نہیں ہو گئے۔ اگر ان میں ایمان کی حرارت باقی ہے، تو پھر ہمیں مزید وقت ضائع کیے بغیر ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ تحقیق و ریسرچ کے میدان میں اُترنا چاہیے۔ یہی ایک راہ ہے جس پر چل کر ہم اس ملک میں بحث و تحقیق کا مستقبل روشن بنا سکتے ہیں، قرآن میں آیا ہے۔ "جو لوگ ہماری راہ میں جدّ و جہد کرتے ہیں ہم (ادراکِ حقیقت) کے لیے ان کے سامنے نئی نئی راہیں کھول دیتے ہیں۔"

(رشید احمد)